بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

انتخابات کے سرکاری نتائج خواہ کچھ ہی ہوں، لیکن رائے عامہ کی عدالت نے نہایت واضح طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ اس پارٹی، اس کے قائد اور اُن کے اعوان و انصار کے بارے میں عوام کے جذبات میں یہ حیران کن تغیر چند سطحی وجوہات کی بنا پر رونما نہیں ہوا، یہ بعض فطری اسباب کا منطقی نتیجہ ہے جو حکمران جماعت کے خلاف شدید نفرت کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

پیپلز پارٹی کے اس حسرتناک زوال کا پہلا سبب یہ ہے کہ اُس کے قائد نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ایک آدمی دلفریب وعدے کرنے میں جس قدر فیاض ہو، الفاظ کے استعمال میں جس قدر مُطلق العنان ہو اور عوامی جذبات سے کھیلنے میں جس نسبت سے مشاق ہو، اُسی تناسب سے وہ عوام میں مقبول ہوتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں چونکہ اِن حربوں کو بڑا مفید اور کارگر پایا اور اِن کی بدولت ہی انہیں اقتدار نصیب ہوا اِس لیے وہ عوامی مقبولیت کے نشے اور اقتدار کی مستی میں یہ حقیقت بالکل بھول گئے کہ زندگی خیالوں کی جنت نہیں بلکہ ٹھوس حقائق سے عبارت ہے اس لیے لوگوں کو خوش کن نعروں کے بل بوتے پر کچھ دیر کے لیے تو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے، مگر طویل مدت تک انہیں دھوکے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ زندگی کے بے رحم تقاضے جلد ہی سامنے آکر فریب کاریوں کے سارے پردے چاک کر دیتے ہیں۔ ہر انسان خواہ وہ شعور کی کسی سطح پر ہو، سب سے پہلے عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ چاہتا ہے۔

پھر وہ اِس بات کا طالب ہوتا ہے کہ کسی قدر وقار کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز احتیاجات پوری کر سکے۔ اُس کی اولاد جب جوان ہو تو اُن کی صلاحیتوں کو تعمیری مقاصد میں لگانے کا معقول انتظام ہو۔ مادّی ضروریات کی یہ کم سے کم مقدار ہے جسے ہر انسان پورا کرنے کا شدید آرزومند ہوتا ہے۔ اور اگر ان ضروریات کو پورا کرنے کا اُسے سامان میسّر نہ آئے تو اُس کے اندر اُن لوگوں کے خلاف شدید ردِّ عمل پیدا ہوتا ہے جن کے ہاتھ میں معاشرے اور حکومت کی زمام کار ہوتی ہے۔

"قائدِ عوام نے انسان کی اِن بنیادی ضروریات کے بارے میں اُس کے نازک احساس کا پوری طرح اِدراک کرتے ہوئے عوام سے ایسے وعدے تو کر لیے جن میں اُنہیں پورا کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی، لیکن اِس سلسلے میں عملی طور پر کچھ نہ کیا گیا بلکہ اُن وعدوں کی دلفریبیوں میں عوام کو اُلجھا کر وقت گزارنے کی کوشش کی گئی۔ بھٹو صاحب نے اِس حقیقت پر غور کرنا قطعاً گوارا نہ کیا کہ لوگوں کے صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور اُس کا پیمانہ جب لبریز ہو کر چھلکتا ہے تو بڑے خوفناک طوفان اُٹھا دیتا ہے۔

پھر "فخرِ ایشیا" نے اپنے مواعید کو پورا کرنے کے لیے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں اور اُن کے بارے میں عوام کے اندر جو شدید ردِّ عمل پیدا ہوا ہے اُس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کے نتائج ہر شخص ہر آن دیکھتا اور اُن کے اثرات کو زندگی کے ہر گوشے میں پوری شدّت سے محسوس کرتا ہے۔ اِس بنا پر محض الفاظ کی بازیگری سے عوام کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً عوام کے ساتھ روٹی، کپڑے اور مکان کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا وعدہ تھا جس کے عملی مضمرات کو معاشرے کا ہر فرد پوری طرح سمجھتا تھا اور توقع رکھتا تھا کہ حکومت ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے اُس کی خوراک، لباس اور رہائش کا مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا مگر ہوا یہ کہ گندم، چینی، چاول اور دیگر اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں اس حد تک اضافہ کر دیا گیا جس کا عوام تصوّر تک نہ کر سکتے تھے۔ اِس ہوشربا مہنگائی کے بعد عوام کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی کہ حکومت نے

روٹی پلانٹ لگا کر روٹی کا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عوام محض اس طرح کے بیانات سے تو مطمئن نہیں ہو سکتے بلکہ وہ اِسے اپنی بے بسی پر ایک بھرپور طنز سمجھتے ہیں اور مجبوری کے عالم میں سوچنے لگتے ہیں، کیا اُن کا "محبوب قائد" اُن کی عقل و خرد پہ خندہ زن ہونے کے علاوہ اُن کی بے کسی اور بیچارگی کا بھی مذاق اُڑا رہا ہے۔ اُنہیں عوام کی محبت کے اِس دعویدار سے بجا طور پر توقع تھی کہ جب وہ مسند اقتدار پر براجمان ہوگا تو غریبوں کے مصائب و شدائد دُور ہوں گے اور اُن کے لیے زندگی کی آسانیاں پیدا ہوں گی، مگر افسوس کہ نتائج اُن مصیبت زدوں کی توقعات کے بالکل برعکس نکلے۔ زندگی اُن کے لیے سراپا عذاب بن کر رہ گئی۔ روزمرّہ کی ضروریات فراہم کرنے کے لیے انہیں نہ صرف پانچ گنا دام ادا کرنے پڑے، بلکہ جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کے علاوہ بہو، بیٹیوں کو ڈپوؤں پہ پہروں لائن میں کھڑا کر کے اُن اشیاء کو بڑی دِقت، کشمکش اور منت سماجت کے ساتھ حاصل کرنا پڑا۔ اِس تشویشناک صورتِ حال نے جو ملک کے ہر شہری کو ہر روز پیش آتی ہے عوام میں حکومت کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کر دی ہے۔

بھٹو صاحب کی مقبولیت کو نفرت اور حقارت میں بدلنے کے لیے اُن کی پارٹی اور اُن کے جاں نثار بھی بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُنہیں اُن کے ناقدین نے عوام کی نظروں میں اتنا نہیں گرایا جتنا کہ اُن کے مدّاحوں نے اُن کی شہرت کو نقصان پہنچایا ہے، تو اِس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اُنہیں بعض داخلی اور خارجی وجوہ کی بناء پر مغربی پاکستان میں جو غیر متوقع کامیابی نصیب ہوئی، اُس نے خود اُنہیں اور اُن کے یمین و یسار میں جو لوگ تھے اُنہیں غیر حقیقت پسندانہ طرزِ فکر اور غیر حقیقت پسندانہ طرزِ عمل کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُنہوں نے اپنا پانچ سالہ دَورِ حکومت جس آمرانہ ذہن اور عوامی مسائل سے بے نیازی کے ساتھ گزارا اُسے دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ اقتدار کو اپنی ذاتی ملکیت کی کوئی چیز سمجھ بیٹھے تھے اور رائے عامہ کے متعلق اُن کے ذہن میں یہ خیال پرورش پا چکا تھا کہ یہ ایک مُرکب ہے جس کے وہ شہسوار ہیں اور جب چاہیں گے اور جس طرح چاہیں گے بڑی آسانی سے اس کی عنان موڑ دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے بارے میں کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور اس غلط فہمی

میں گرفتار ہو کر وہ سارا عرصہ حکومت کرتے رہے۔ اُن کے آمرانہ ذہن نے اپنے خلاف کسی بات کو سُننا بھی گوارا نہ کیا۔ " انا ولا غیری " کا دعویٰ صرف ایک ذاتِ بے ہمتا کو ہی زیب دیتا ہے، لیکن جب قوت و اختیار کی بدمستی میں حکمران یہ بڑا بول بولنے لگتے ہیں تو وہ راہِ راست سے ہٹ کر جس اندوہناک انجام سے خود دوچار ہوتے ہیں اور قوم کو دوچار کرتے ہیں، اُس سے کون ناواقف ہے۔ لیکن بھٹو صاحب نے اِن حقائق سے کوئی عبرت نہ پکڑی۔ وہ اپنے آپ کو کبریائی کے مقام پر فائز سمجھتے ہوئے اُمورِ سلطنت چلاتے رہے۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو عقلِ کل، ہر خطا سے مُبّرا اور ہر عیب سے مُنزّہ سمجھا۔ اگر کسی نے اُنہیں کسی بات پر ٹوکنے کی جسارت کی تو اُس پر ایسا شدید عتاب نازل کیا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ دہل گئے۔

بھٹو صاحب کی اِس کج فکری اور کج عملی سے معاشرے میں جو خوفناک بگاڑ پیدا ہوا وہ تو خیر ہوا ہی تھا، اُس کی رہی سہی کسر اُن کے بہی خواہوں نے پوری کر دی۔ گذشتہ انتخابات میں بھٹو صاحب نے عوام کے اندر جس طرح ذہنی اور جذباتی ہیجان پیدا کر کے اپنے وابستگان کو ایوانِ اقتدار تک پہنچایا اُس سے وہ یہ سمجھنے لگے کہ طاقت کا اصل سرچشمہ صرف اُن کے قائد کی ذاتِ گرامی ہے۔ وہ جس کو چاہیں اقتدار سے نوازیں اور جسے چاہیں اُس سے محروم کر دیں۔ اِس لیے اُنہوں نے عوام کے مسائل، اُن کی مشکلات اور اُن کی پریشانیوں اور اُن کے احساسات کی طرف کوئی توجہ دینے کے بجائے وزیراعظم کی خوشنودی حاصل کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں اور اِس معاملے میں عزتِ نفس، خودداری، غیرت اور حمیت، الغرض شرافت کی ہر قدر کو داؤ پر لگانے سے بھی گریز نہ کیا۔ آمر چونکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے انتہائی خوشامد پسند ہوتا ہے اور اپنے بارے میں مدح وستائش کی حکایتوں کے علاوہ کچھ سُننا گوارا نہیں کرتا، اِس لیے اُن کے حاشیہ نشینوں نے بھٹو صاحب کی تعریف و توصیف میں آسمان زمین کے قلابے ملا دیے اور انہیں ہر آن یہی باور کراتے رہے کہ وہ مُلک کے سارے باشندوں کی آنکھ کا تارا ہیں۔ ہر فرد اُن کی محبت میں فنا ہو رہا ہے اور جو شخص اُن کی عظمت کا قائل نہیں عوام صبح و شام اُس پر ہزار ہزار لعنتیں بھیجتے ہیں۔ اُن کی ذاتِ ستودہ صفات ہی اِس ارضِ پاکستان میں، بلکہ ایشیا اور دُنیائے اسلام میں محبت کی

عقیدت کا واحد مرکز بن گئی ہے ۔ اُن کے فہم و تدبر پہ پوری دُنیا کو نہ سہی تیسری دُنیا کے ہر فرزند کو ضرور ناز ہے ۔ وہ مظلوم انسانوں کے نجات دہندہ بن کر دُنیا کے سینے پہ اُبھرے ہیں اور اہلِ پاکستان کو اس بات پہ فخر ہے کہ انہیں مدّت دراز کے بعد ایک ایسا قائد ملا ہے جو نہ صرف پاکستان کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سلامتی کے ساتھ ساحلِ مُراد تک پہنچانے کا حوصلہ رکھتا ہے ، بلکہ اپنی بے مثال ذہانت اور فطانت سے پوری دُنیا کے دُکھوں کا مداوا بھی کرسکتا ہے ۔ ہر شخص جو کسی نہ کسی وجہ سے پیپلز پارٹی اور اقتدار کے ساتھ وابستہ ہے ، وہ اِسی لیے ہی وزیرِ اعظم بھٹو کے گُن گانے کو اپنا کمال سمجھتا ہے ۔ اُسے اِس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ اپنے ممدوح کی جو خوبیاں بیان کر رہا ہے وہ فی الحقیقت اُن میں ہیں بھی یا نہیں ، یا وہ فی الواقع دل میں اُن کا معترف بھی ہے ۔ اُسے تو صرف ایک ہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اُسے کسی طرح قائدِ عوام کا قرب حاصل ہو اور اگر یہ بلند مرتبہ اُسے پہلے سے حاصل ہے تو اُس کے درجات میں مزید ترقی ہو ، تاکہ وہ اُن کا منظورِ نظر بن کر زیادہ سے زیادہ ناجائز فوائد حاصل کرسکے ۔

اِس منفی طرزِ فکر نے ممدوح اور اُن کے ثناخوانوں سب کو اچھا خاصا نقصان پہنچایا ۔ بھٹو صاحب کو یہ نقصان پہنچا کہ وہ بے ضمیر خوشامدیوں کے نرغے میں گھِر کر ملک و ملّت کے حقیقی بہی خواہوں سے دُور ہو گئے جو اُن کی خوشامد پہ تو آمادہ نہ تھے مگر اُنہیں اصل حقائق سے باخبر رکھ کر قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اُنہیں بہترین مشورے دے سکتے تھے ۔ اگر اُن باضمیر حضرات کی باتوں کو ہمدردی اور توجہ سے سُنا جاتا اور اُن پہ ٹھنڈے دل سے غور کر کے اُن کے مطابق اصلاحِ احوال کی کوشش کی جاتی تو آج "قائدِ عوام" کو یہ بُرے دن نہ دیکھنے پڑتے جو اب دیکھنے پڑ رہے ہیں ۔ اقتدار اُنہیں حاصل ہوتا ہے یا نہیں ، یہ الگ بحث ہے لیکن اِس امر سے آخر کون انکار کرسکتا ہے کہ اُن کے خلاف جذبات کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب اُمڈ پڑا ہے جس کے سامنے بند باندھنا اُن کے لیے ممکن نہیں رہا ۔ وہ خود ہی سوچیں ، اگر وہ یونانی دیوتاؤں کی سی خود پسندانہ اور متکبرانہ روش اختیار کرنے کے بجائے اپنے آپ کو محدود عقل و خرد رکھنے والا انسان سمجھتے اور ہر مخالف کو ملک و ملّت کا دشمن قرار دے کر اُسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بجائے اُس کی رائے کو درخورِ اعتناء

سمجھتے تو کیا حالات کا نقشہ اِس سے بالکل مختلف نہ ہوتا جو آج کل ہمارے سامنے ہے۔ خسروانہ جاہ و جلال میں اگر وہ اِس حقیقت کو بھی سامنے رکھتے کہ وہ بہر حال خدا کے بندے ہیں، لہٰذا ان سے غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے اور اِس بنا پر وہ باضمیر اہل الرّائے کے صلاح و مشورہ کے محتاج ہیں تو ایسی صورت میں وہ اپنی صلاحیتیں نمائشی کاموں میں کھپانے کے بجائے تعمیری کاموں میں صرف کرتے اور قومی خزانہ بھی اِس طرح برباد نہ ہوتا جس طرح اُن کے ہاتھوں ہوا ہے۔ مگر اُن کے آمرانہ مزاج نے یہ معقول طرزِ عمل اختیار کرنے سے عمداً گریز کیا اور ماضی کے بگڑے ہوئے بادشاہوں کی طرح اپنے اِرد گرد ایسے لوگ جمع کیے جو قصیدہ خوانی کے فن میں ماہر تھے، اور اُن کی نیازمندی پر بھروسہ کرتے ہوئے جو جی میں آیا اصلاحات کے نام پر بلا تکلف کرتے چلے گئے۔ بے تدبیری کے ساتھ کی گئی یہ اصلاحات جب ناکام ثابت ہوئیں، اور اُن کی ناکامیوں کے اثرات عوامی زندگی پر مترتب ہونے لگے تو اُن کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے ایک طرف تو عوام کی توجہ میلوں ٹھیلوں، کھیل تماشوں، میناروں کی تعمیر جیسے سطحی کاموں کی طرف لگانے کی کوشش کی گئی اور دوسری طرف اِس امر کا التزام کیا گیا کہ اُن غلطیوں پر کوئی شخص لب کشائی کی جرأت نہ کر سکے اور کوئی فرد اگر زبان کھولے تو صرف تعریف و توصیف ہی میں کھولے۔ کسی ایک شخص کی لغزش جو فقط اُس کی ذات پر، یا زیادہ سے زیادہ اُس کے خاندان پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ بھی کسی طور چھپائے نہیں چھپتی تو آخر وہ غلطیاں اور کوتاہیاں جو سات کروڑ عوام کی معاشی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی حالت میں خوفناک بگاڑ پیدا کر رہی ہوں، اُنھیں کس طرح چھپایا جا سکتا ہے۔ جو سربراہ یہ سمجھتا ہے کہ قوم سے تحریر و تقریر کی آزادی سلب کر کے یا اپنے مخالفین کے خلاف بے سروپا باتیں کہہ کر یا اُن پر اتہام باندھ کر یا کھوکھلے نعرے لگا کر، اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈال سکتا ہے تو وہ حقائق کی دُنیا میں سانس نہیں لیتا بلکہ جنّت الحمقا میں بستا ہے۔ زبانِ خنجر کو تو ممکن ہے چپ رہنے پر مجبور کیا جا سکے، لیکن دُنیا کے کسی جابر کو آج تک یہ قوت حاصل نہیں ہوئی کہ وہ آستین سے پکارنے والے لہو کی پکار پر کوئی پابندی عائد کر کے اُسے خاموش کر دے۔ جب کسی فرد یا معاشرے پر ظلم ہو رہا ہو، انسانوں کو اُن کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہو، ظلم و استبداد، غنڈہ گردی، بے انصافی اور زبردست آزاری

نے پورے ملک میں دہشت کی فضا پیدا کر دی ہو۔ ان حالات میں اگر کوئی حکمران یہ سمجھتا ہے کہ محض خوش کُن نعروں اور لاف گزاف کے زور پر وہ عوام کے دل جیت سکتا ہے تو وہ فریبِ نفس کے کسی شدید عارضہ میں مبتلا ہے جس کا مداوا اُس کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ جب کوئی شخص اقتدار پر فائز ہوتا ہے تو اُس کے پرستاروں کی ثنا خوانی اُس کے ضمیر کو خوابیدہ رکھتی ہے اور جو حکمران تنقید کی حوصلہ افزائی کر کے اپنے احتسابِ نفس کا اہتمام نہیں کرتا وہ اُمورِ مملکت چلانے میں، اپنے ساتھیوں کے انتخاب میں، اپنے دوستوں اور دُشمنوں کو پہچاننے میں بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ وہ اپنے اِرد گِرد مفاد پرستوں کی بھیڑ جمع کر لیتا ہے اور اُنہیں غلطی سے اپنے دمساز سمجھتا ہے درآنحالیکہ اُنہیں حکمران کی ذات سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اُن کی ساری وابستگیاں اُن مفادات سے ہوتی ہیں جو وہ اقتدار کے توسّط سے حاصل کرتے ہیں۔ اِس لیے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو حکمران جتنا بڑا آمر ہوگا، اُسی نسبت سے گھٹیا قسم کے لوگ اُس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ بھٹو صاحب اپنے مصاحبین کے حالات پر نظر ڈالیں اور دیکھیں اُن میں کتنے ایسے ہیں جنہوں نے اقتدار کے تحفّظ میں ناجائز دولت کے انبار جمع نہیں کیے، جن کے دامن ناجائز الاٹمنٹوں کے الزامات سے پاک ہیں، جنہوں نے اپنے لیے اور اپنے متوسّلین کے لیے ناجائز مراعات حاصل نہیں کیں۔ اِن وابستگانِ اقتدار کی انسانیت سوز کارروائیوں کی اگر صحیح تصویر عوام کے سامنے آ جائے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اُن کی قومی دولت کو اِن لوگوں نے کس بے دردی کے ساتھ لُوٹا ہے اور ذاتی مفادات کی خاطر مُلکی معیشت کو کس بے حسی کے ساتھ تباہ کیا ہے تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی لاوارث نعش کے ساتھ گِدھ اور کُتّے بھی وہ ظالمانہ سلوک نہیں کرتے جو اقتدار کے اِن پجاریوں نے بھٹو صاحب کے سایۂ عاطفت میں ملکی دولت کے ساتھ کیا ہے۔ ہماری عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ "قائدِ عوام" کے حاشیہ نشینوں نے اِس ضمن میں جو کچھ کیا وہ اُس سے بے خبر تھے۔ وہ یقیناً اُن کی ہر حرکت سے پوری طرح واقف تھے، لیکن انہوں نے اُن کی ساری بداعمالیوں کو نہ صرف بخوشی گوارا کیا، بلکہ انہیں تحفّظ دینا بھی ضروری سمجھا کیونکہ اُن کی آمریت کے قیام کا (باقی بر صفحہ ۴۸)